خیر خواہی، مسلمان کا حق ہے

مفتی محمد جمال الدین قاسمی

اللہ کے ساتھ خیر خواہی

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بندوں کی عبادت میں سے میرے نزدیک محبوب ترین عبادت میرے ساتھ سے سوال کیا گیا ؒخیر خواہی کرنا ہے (مسند احمد حدیث نمبر: 22191، مسند ابی امامہ) حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا اللہ کے ساتھ خیر خواہی کرنا افضل و بہتر عمل ہے۔ (جامع ؒکہ سب سے اچھا اور بہتر عمل کیا ہے؟ آپ العلوم والحکم 1/225) ابو ثمامہ رضي الله عنه سابقہ مذہبی کتابیں پڑھا کرتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام سے حواری حضرات نے دریافت کیا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کرنے والا کسے کہا جائے گا؟ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے حق ادا کرنے سے پہلے خدا کا حق ادا کرتا ہو اور جب ایک ساتھ دو امور پیش آجائیں: ایک دنیا سے متعلق اور دوسرا آخرت سے متعلق تو آخرت کو ترجیح دے اور اس سے (فارغ ہونے کے بعد دنیا سے متعلق امر انجام دیا کرے۔ (الزہد للوکیع، حدیث نمبر: 247

اللہ کے ساتھ خیر خواہی کا مفہوم

اللہ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اسکی ذات وصفات پر ایمان لائے، سارے صفات کمالیہ اور جلالیہ سے اسے متصف مانے اور تمام نقائص سے منزہ اور پاک سمجھے، اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اوامر کو بجالائے، نواہی کے ارتکاب سے خود کی حفاظت کرے، اللہ کے مطیع اور فرماں بردار بندوں سے دوستی کرے اور نافرمانوں سے دوری اور قطع تعلق کرے، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر گذار رہے اور تمام معاملات کو اخلاص اور

رضائے خداوندی کے جذبہ کے تحت انجام دیا کرے اور ان امور کی لوگوں کو بھی نرمی وشفقت کے ساتھ دعوت دے۔

اللہ کے ساتھ خیر خواہی کے درجات

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کے دو درجات ہیں، پہلا درجہ فرض اور ضروری کا ہے کہ اس کے انجام دیے بغیر چارہ نہیں، مثلا: حتی الوسع فرائض کو ادا کرے، محرمات سے بچے اور اگر کسی مرض یا عذر کی بنا پر اسے انجام نہ دے سکے تو اس بات کا عزم مصمم رکھے کہ اعذار ختم ہوتے ہی ہم اس کو ضرور ادا کریں گے، قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ جو ضعیف و کمزور اور بستر مرض پر پڑے حضرات جہاد میں بنفس نفیس شریک نہ ہو سکیں، اسی طرح جو معاشی لحاظ سے کم زور ہوں اور جہاد میں شریک ہونے والوں پر خرچ نہ کر سکیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ احکام کا کسی کو مکلف نہیں بناتا۔(البقرہ:286)اور ان حضرات کو چوں کہ جہاد میں شرکت کرنے کی سکت نہیں ہے، اور مال بھی نہیں ہے کہ مجاہدین کے لیے اسباب جہاد مہیا کر سکیں، اس لیے گناہ نہ ہونے کی وضاحت کر دی گئی، البتہ عدم شرکت اور عدم انفاق کے باوجود دل سے خدا اور رسول کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھنا بہر حال ضروری ہے اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو محسنین کی جماعت میں داخل ہیں اور خدا کی وسیع مغفرت ورحمت سے مستفید ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(التوبہ:91)

کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں، جب کہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں۔ (ان) نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعذار و موانع کی وجہ سے دیگر اعمال شرعیہ مؤخر اور کبھی ساقط بھی ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نصح و خیر خواہی ایسا مامور بہ ہے جو کبھی ساقط نہیں ہوتا ہے، دل سے تو انسان اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ بہر صورت ہو سکتا ہے، اس سے اس مامور بہ کی مزید اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اور خیر خواہی کا دوسرا درجہ نفل کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی تمام تر محبوبات و مرغوبات کو اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کر دے، دل میں اللہ کے مقابلے میں کسی اور کی محبت نہ ہو، اعضا و جوارح سے بھی صرف اس کے اوامر کو بجالایا جائے اور دنیا کی کسی چیز کو اللہ کے اوامر کے بجالانے میں حارج نہ سمجھا جائے اور اس پر دل میں فرحت و انبساط (محسوس کرے، یہ درجہ بہت اونچا ہے اور مقربین کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم 1/220

کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی کا مفہوم

قرآن پاک خدا کی طرف سے بندوں کے لیے ایک پیغام ہے، اسے پڑھے، اس کے معانی و مطالب کو سمجھے، اس میں غور و فکر کرے، اس کے مطالبات پر عمل کرے اور ممنوعات و محرمات سے بچے، جیسا کہ اپنے بڑوں اور عزیزوں کی طرف سے آئے ہوئے خطوط کو انسان سمجھنے اور اس کے مندرجات سے واقف ہونے کی کوشش کرتا ہے، اگر خود اس میں کامیاب نہیں ہوتا ہے کہ زبان سے واقف نہیں ہے، یا مضمون ہی سمجھ سے باہر ہے تو دوسروں کی

خدمات حاصل کرتا ہے، لیکن بہر حال سمجھنے کی غیر معمولی کوشش کرتا ہے، یہی حال اس کا قرآن پاک کے ساتھ بھی ہونا چاہیے، خود اس زبان کو سیکھے اور اس کے مطالبات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اگر ابتدا میں ایسا نہ ہو سکے تو کوشش جاری رکھے اور واقف کار سے اس بارے میں راہ نمائی حاصل کرے، تلاوت کرنے میں اس کے حروف کی صحیح ادائیگی پر توجہ دے، غنہ، اخفاء، مد اور دیگر صفات کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرے اور لحن جلی و خفی سے بچے، آواز میں درد اور حسن پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اسے عام کرنے کی کوشش کرے، تاکہ دوسرے حضرات بھی اسی طرح تلاوت کریں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھیں۔

اللہ کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کا مفہوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسالت کی تصدیق کی جائے، اللہ کی طرف سے جو بھی پیغام لے کر وہ آئے ہیں ان پر ایمان لایا جائے، ان کے اوامر و نواہی کی بجاآوری کی جائے، ان کی تعظیم و توقیر کی جائے، احادیث و سنت کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا جائے، علوم حدیث کی تحصیل میں جد و جہد کی جائے اور اس سے منتسب افراد کی بھی توقیر و تعظیم کی جائے، ان کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ کیا جائے، اہل بیت اور صحابہ کرام سے اظہار محبت اور عزت و تکریم کا برتاؤ کیا جائے، بدعات کو رواج دینے، انہیں عملی جامہ پہنانے اور صحابہ کی شان میں بے ادبی کرنے والوں سے نفرت کا اظہار کیا جائے اور اخلاق و عادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اپنا نمونہ بنا جائے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی کی دو صورتیں ہیں، ایک تو وہ ؒ علامہ آجری حضرات ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفید ہوئے اور ایک

وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکے، تو جن حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور جنہیں عرف عام میں صحابہ جیسے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ نے یہ لازم کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توقیر و تعظیم کریں، نصرت و حمایت کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں، ان حضرات نے اپنی یہ ذمہ داری بحسن و خوبی ادا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وفاداری کی تعریف کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

اور جو حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھے، بعد میں آئے مثلا: تابعین، تبع تابعین اور بعد میں آنے والے حضرات تو ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو محفوظ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تک اسے پہنچائیں اور احکام شریعت سے ان کو واقف کرائیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں، اگر وہ ان ذمہ داریوں کو نبھائیں گے تو وہ وارثین انبیاء کہلائیں گے۔ (شرح بخاری لابن بطال 1/131)، باب الدین (النصیحۃ

ائمہ مسلمین کے ساتھ خیر خواہی اور احادیث

ائمہ مسلمین میں مسلمان حکام اور علماء دونوں داخل ہیں، دونوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا مستقل حکم ہے، ائمہ مسلمین کا متبادر معنی چوں کہ مسلمان حکم راں ہے؛ اس لیے ان کے تعلق سے احادیث میں جو تاکید ہے اسی طرح ان کے ساتھ خیر خواہی کا جو مفہوم ہے اسے مختصر طور پر ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں سے خوش ہوتے ہیں اور تین باتوں سے ناراض ہوتے ہیں، جن تین باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو

اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، دوسرے یہ کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامواور آپس میں تفرقہ پیدانہ کرواور تیسری بات یہ ہے کہ اپنے حکم رانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرواور جن تین باتوں سے اللہ کو ناراضگی ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان قیل و قال کرنا شروع کردے، مال ضائع کرنے لگے اور سوال کی کثرت اور حضرت زید بن ثابت رضي اللہ عنہ آپ صلی اللہ ﷺ کردے۔(مسند احمد حدیث نمبر:8799، مسند ابی ہریرہ علیہ وسلم کاارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تین صفات ایسی ہیں جن کے بارے میں کسی مسلمان کادل کبھی بھی دغانہیں کر سکتا، عمل میں اخلاص، مسلمانوں کے حکام کے ساتھ خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا، ﷺ کیوں کہ جماعت مسلمین کی دعائیں بہت مقبول ہوتی ہیں۔(مسند احمد حدیث نمبر:۲۱۵۹، مسند زید بن ثابت حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت عمر بن خطاب رضي اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میرا ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف کھانا بہتر ہے یااس سے بے پرواہو کر اپنے کام کی طرف متوجہ رہنا اچھا ہے ؟جواب میں آپ رضي اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو حاکم وقت ہو، اور مسلمانوں کے معاملات کاذمہ دار ہو، اسے تو اپنا کام کرتے رہنا چاہیے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف نہیں کھانا چاہیے اور جو حاکم وقت نہ ہو اور کوئی ذمہ داری اس پر نہ ہو تو وہ اپنی اصلاح میں لگا رہے اور اپنے امیر اور حاکم وقت کے ساتھ خیر خواہی کرتا رہے۔ ((التمہید لابن عبد البر 21/285

ائمہ مسلمین کے ساتھ خیر خواہی کا مفہوم

مسلمان حکام کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ صحیح کاموں میں ان کا تعاون کیا جائے، ان کے احکام مانے جائیں، لوگوں کو بھی ماننے پر آمادہ کیا جائے، حدود سے تجاوز کرنے پر نرمی و ملاطفت کے ساتھ انہیں نصیحت کی جائے اور مسلمانوں کے معاملات بہتر طور پر حل کرنے کی تلقین کی جائے، ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ فرماتے ہیں کہ ان کے ساتھ خیر ؒ کیا جائے، لوگوں میں ان کی محبت عام کرنے کی کوشش کی جائے۔ امام خطابی

خواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے،ان کے جھنڈے تلے جہاد کیا جائے اور اموال زکوٰۃ بیت المال میں جمع کیا جائے اور اگر ان کی طرف سے ظلم ہونے لگے تو پند و نصائح سے اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے،ان کے حق میں خیر و صلاح کی دعا کی جائے،ان کی واقعی تعریف کی جائے، خلاف واقعہ تعریف کرنے سے گریز کیا جائے،ان کے بارے میں لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں ہوں تو انہیں زائل کرنے کی جد وجہد کی جائے اور ان کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے۔

ائمہ مسلمین کو نصیحت کب کی جائے؟

سے پوچھا گیا کہ حکام وقت کے پاس آدمی بغرض وعظ و نصیحت جا سکتا ہے،تاکہ اسے امور خیر کی طرف راہ نمائی کی جا سکے؟آپ حضرت مالک بن انس نے فرمایا کہ جب قبول کرنے کی توقع ہو تو جانا چاہیے اور اگر ایسی توقع نہ ہو تو پھر ان کے یہاں پند و نصیحت کے لیے جانا ضروری نہیں ہے۔(التمہید لابن عبد البر 21/285)حضرت ابو عمرو فرماتے ہیں کہ اگر حکام وقت کو پند و نصیحت کرنے پر قادر نہ ہو تو صبر کرے اور صلاح و تقوی کی دعا کرے۔(حوالہ سابقہ)

ائمہ مسلمین کو نصیحت کیسے کرے؟

ائمہ مسلمین کو نصیحت کرنے میں بڑی نزاکت ہے،ایک طرف ان کی حیثیت عرفی کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کو حق کی اطاعت کرنے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے،بسا اوقات بھرے مجمع میں ٹوکنا ان کی حیثیت عرفی پر حملہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے،اس لیے تنہائی اور خلوت میں ان کو نصیحت کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حاکم کو کسی معاملہ میں پند و نصیحت کرنا چاہے تو علی الاعلان نصیحت نہ کرے،

بلکہ تنہائی میں نصیحت کرے، اگر اس نے قبول کر لیا تو مقصد حاصل ہو گیا، ورنہ تو تم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: 15333، و من حدیث ہشام بن حکیم) اس حدیث کی بنا پر علما نے لکھا ہے کہ حکام وقت کو نصیحت خلوت میں کی جائے، علانیہ نہ کی جائے، کیوں کہ نصیحت کے مفہوم ہی میں خیر داخل ہے، اور سراً نصیحت کرنے میں خیر کا پہلو غالب ہوا کرتا ہے، اس لیے اس کو ترجیح دینی چاہیے، البتہ کسی منکر پر انکار علانیہ ہوا کرتا ہے؛ اس لیے انکار تو علانیہ کرنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کسی منکر کو دیکھے تو اس کی اصلاح اپنے ہاتھ سے کرے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے اسے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔ (مسلم، حدیث نمبر: 49، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ) اور تنہائی میں نصیحت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات صرف ناصح اور منصوح کے علم میں ہو، دوسرے حضرات اس پر آگاہ نہ ہو سکیں، لہٰذا اگر کسی نے نصیحت تو تنہائی میں کی، لیکن بعد میں لوگوں کے سامنے واضح کر دیا کہ میں نے حاکم وقت کو ایسا ایسا کہا ہے اور اس کے تحت انہوں نے فلاں حکم جاری کیا ہے، تو پھر یہ تنہائی کی بات نہیں ہے، بلکہ علانیہ ہو گئی، اس لیے اس سے ہر ناصح کو بچنا چاہیے اور اس کو اپنی فضیلت و بزرگی میں اضافہ کا ذریعہ نہ سمجھا جائے، کیوں کہ اس سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں اور حکام وقت کو اپنی ہتک عزت محسوس ہوتی ہے، اور پھر وہ نصیحت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضي اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حاکم وقت پر علانیہ انکار کیا جا سکتا ہے؟ آپ رضي اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، ان کو نصیحت کرنی ہو تو تنہائی میں کرو۔ (جامع العلوم والحکم 1/225) بخاری کی روایت ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضي اللہ عنہ کے پاس ایک جماعت آئی اور کہا کہ آپ حضرت عثمان رضي اللہ عنہ کو نصیحت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ آپ رضي اللہ عنہ فرمایا کہ میں ان کو نصیحت کر چکا ہوں؛ لیکن میں علانیہ نکیر کر کے فتنہ کا دروازہ نہیں کھولوں گا۔ (بخاری مع فتح الباری، حدیث نمبر: 7098، باب ”الفتنۃ التی تموج) اسی لیے سلف صالحین جب کسی کو نصیحت کرتے تھے تو تنہائی میں کرتے تھے، حضرت امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ جو تنہائی میں نصیحت کرتا ہے تو وہ واقعی خیر خواہ ہے اور جو علانیہ نصیحت کرتا ہے وہ فضیحت کرتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الامر بالمعروف، حدیث نمبر: 5137) حضرت ابن عباس رضي اللہ عنہ سے پوچھا گیا

کہ حاکم وقت کوامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے یا نہیں؟آپ رضي اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں کرو، علانیہ نہ کرو۔(جامع العلوم والحکم 1/225)ایک صاحب نے مامون کو نصیحت کی اور اس نے سخت وسست جملے استعمال کیے، مامون نے کہا کہ تم سے بہتر آدمی نے مجھ سے زیادہ شریر شخص کو نصیحت کی تھی، مگر ان کو حکم تھا کہ نرمی وملاطفت سے نصیحت کرنا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کو نبی بنا کر فرعون کے پاس بھیجا تھا، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾(طہ:44)

پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول کرلے، یا (عذاب الہی سے) ڈر جائے۔

ماتحتوں کی رعایت

جس طرح اسلام نے امیر اور حاکم وقت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی اطاعت فرماں برداری کا پابند بنایا ہے، اسی طرح امیر وحاکم کو بھی اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، جو حاکم وذمہ دار اپنے ماتحتوں سے غفلت برتتا ہے، اس کے بارے میں بڑی وعیدیں آئی ہیں، حضرت معقل بن یسار رضي اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس انسان کو کسی جماعت کا نگراں بنایا گیا اور وہ اس کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ نہیں کرتا ہے تو وہ جنت کی خوش بو بھی نہیں پائے گا۔(بخاری، حدیث نمبر:7150، باب من استرعی الخ)اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردے گا۔(مسلم، حدیث نمبر:142، باب استحقاق الوالی) اور ایک روایت میں ہے کہ ایسا حاکم اپنے ماتحتوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔(مسلم، حدیث نمبر: 142، باب استحقاق الوالی) حضرت ابن عمر رضي اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحت کے متعلق سوال ہوگا، مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے،

اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے، اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا، غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا، سن لو کہ ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحت کے بارے میں سوال ہوگا، (بخاری، حدیث نمبر: 2409، باب العبد راع فی مال الخ) اس لیے حاکم وقت کو بھی اپنی رعایا کے تعلق سے ہر وقت فکر مند رہنا چاہیے، ان کے مسائل سے دل چسپی لینی چاہیے، ان کے دکھ درد اور آلام و مصائب میں شریک رہنا چاہیے، ان کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کرنا چاہیے، ان سے صرف کام لینے کا طریقہ جاننے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ ان کے آرام، ذاتی ضروریات اور پیش آمدہ مسائل پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

عامۃ المسلمین کے ساتھ نصیحت کا مفہوم

عامۃ المسلمین کے ساتھ نصح و خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مصالح اور نفع بخش امور کی طرف راہ نمائی کی جائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے، کم زوریوں کو دور کرنے پر توجہ دی جائے، دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے، دھوکہ نہ دیا جائے اور حسد اور کینہ ان سے نہ رکھا جائے، ان کی لیے وہی چیز پسند کی جائے جو اپنے لیے پسند ہو، اگر وہ فسق و فجور میں مبتلا ہوں تو نرمی کے ساتھ ان کو سمجھایا جائے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا اکرام کیا جائے، ان کی عزت و آبرو پر حرف آرہا ہو یا مال و دولت پر کسی قسم کا حملہ ہو رہا ہو تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے، محتاجوں کی مدد کی جائے، جاہلوں کی جہالت کو ختم کرنے کی جد وجہد کی جائے، اگر اپنی دنیا کا نقصان کر کے بھی دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی شکل بن سکتی ہو تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے، سلف صالحین کہا کرتے تھے کہ اگر مخلوق اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جائے اور اس کے نتیجے میں میرے جسم کا گوشت قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو بھی میں اس پر تیار ہوں (جامع العلوم والحکم 1/223)

فرماتے تھے کہ کاش! میں خدائی حکم کو روئے زمین پر نافذ کرتا اور میں بھی اس پر عمل ؒحضرت عمر بن عبدالعزیز کرتا اور لوگ بھی اس کی پابندی کرتے اور اس کے نتیجے میں میرا ایک ایک عضو گرتا رہتا، حتی کہ آخری حکم کی تنفیذ کے ساتھ میری روح بھی تن سے جدا ہو جاتی۔(جامع العلوم والحکم 1/223)

کاش! نصح و خیر خواہی کے بارے میں ایسے ہی بلند خیالات ہم لوگوں میں بھی عام ہو جائیں اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں اس پر عمل پیرا ہو جائے، تاجر اپنی تجارت میں، کارخانے کا مالک اپنی ایجادات میں، معلم اپنے شاگرد کے بارے میں، باپ اپنے بیٹے اور افراد خانہ کے بارے میں، شوہر اپنی شریک حیات کے بارے میں، کاشت کار اپنی زراعت میں، طالب علم اپنے مذاکرہ اور اپنے مدارس و جامعات کے بارے میں، معالج مریض کے حق میں اور آجر مزدور کے حق میں ویسا ہی خیر خواہ بن جائے تو یہ دنیا جنت نشاں بن جائے گی اور کسی کو دوسرے سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور ہر ایک بھائی بھائی بن کر زندگی گذارے گا۔

نصیحت کے وقت درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھے

نصیحت کرتے وقت اگر چند باتوں کو ناصح ملحوظ رکھے تو اس سے فائدہ کی توقع زیادہ ہے۔

نرمی و ملاطفت سے نصیحت کرے، خفگی کا اظہار نہ کرے، سخت و سست جملوں کے استعمال سے پرہیز کرے، بسا اوقات خشونت و درشتی سلجھے ہوئے کاموں کو بھی الجھا دیتی ہے۔

موقع و محل دیکھ کر نصیحت کرے، بے موقع نصیحت کا اثر الٹا پڑتا ہے، بے محل گفتگو کرنے سے بھی مخاطب پر اچھا اثر نہیں پڑتا ہے اور ایک طرح کا تکدر پیدا ہو جاتا ہے، جو قبولِ نصیحت کے لیے مانع بن جاتا ہے۔

نصیحت ایک کڑوی چیز ہے، اس لیے ناصح کو حکمت سے کام لینا چاہیے، نصیحت کے لیے عمدہ الفاظ اور اچھے اسلوب کو اختیار کرنا چاہیے، اسی لیے قرآن پاک میں حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت دینے کی تلقین کی گئی ہے اور (اسے پہلے اور دوسرے نمبر پر ذکر کیا گیا ہے، جب کہ جدال حسن کو تیسرے نمبر پر جگہ دی گئی ہے۔(النحل:125

نصیحت کرتے وقت ناصح خود کو مخاطب سمجھے، سامنے والے شخص کو مخاطب نہ سمجھے، ایک مرتبہ حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما نے ایک بوڑھے شخص کو صحیح طور سے وضو نہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان میں سے ہر ایک وضو کرنے لگے اور بوڑھے سے کہا کہ آپ ہم دونوں کے بارے میں فیصلہ کریں کہ کون صحیح وضو کرتا ہے، بوڑھے نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ تم دونوں صحیح کرتے ہو، میں نے ہی غلط وضو کیا تھا۔ اس حکمت سے ان دونوں نے ایک بوڑھے کو نصیحت کی اور اسے احساس بھی نہیں ہوا۔

نصیحت کا جواب اگر تلخی سی ملے تو ہمت نہیں ہارنی چاہیے، ناصح کی ہمیشہ یہی تاریخ رہی ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بد سلوکی کی گئی ہے، پھولوں کے تاج کے بجائے کانٹوں کا تاج پہنایا گیا ہے، اسے خیر خواہ سمجھنے کے بجائے بد خواہ سمجھا گیا ہے، انبیاء اور مصلحین قوم کی تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے، اس لیے کام کرتے رہنا چاہیے، ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔